افراد سلسلہ کی اصلاح و فلاح کے لئے
دلی کیفیت کا اظہار

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

افراد سلسلہ کی اصلاح وفلاح کے لئے دلی کیفیت کا اظہار

(فرمودہ ۱۳- دسمبر ۱۹۲۴ء بعد از نماز عصر بمقام مسجد اقصیٰ قادیان)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا-

آج کل میری صحت اور ڈاکٹری مشورہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ میں کل کے خطبہ کے بعد اس قدر جلدی کوئی اور تقریر کروں لیکن بعض ایسے واقعات پیدا ہو گئے کہ جن کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور باوجود اس کے کہ صحت کا تقاضا اس کے خلاف ہے آج پھر آپ لوگوں کے سامنے کچھ بیان کروں گا-

پیشتر اس کے کہ میں کوئی اور مضمون بیان کروں میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ کل کی حالت سے آج کی حالت بالکل متضاد ہے- کل کی حالت تو دعا کی تھی اور آج کی حالت غضب کی ہے- کل تو میں اس انسان کی طرح تھا جس کے جسم کا ہر ذرہ اپنے رب کے سامنے پگھل کر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دعائیں کر رہا ہو اور آج اس حالت میں ہوں کہ میرے تمام حواس اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ میں کسی کے لئے بد دعا نہ کروں-

مجھے بعض لوگوں کے ایسے خیالات معلوم ہوئے ہیں جو اس قسم کی بدظنیوں پر مشتمل تھے کہ جن میں میرے اخلاص اور ایمان پر ایسا حملہ تھا جس سے سر سے لے کر پیر تک میرے جسم کے اندر خون جوش مار رہا ہے- بعض نادانوں اور جاہلوں نے میرے کل کے خطبہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا میں اپنی بیوی کی وفات پر صبر کے دامن کو چھوڑ بیٹھا ہوں اور اب قریب ہے کہ میں غم کے مارے ہلاک ہو جاؤں اس لئے وہ تسلی دینے لگے ہیں- ممکن ہے کہ بعض اور لوگوں کو بھی اس قسم

کا خیال ہو اور انہوں نے اظہار نہ کیا ہو۔

ان نادانوں نے میرے پہلے حالات پر نظر نہ کی اور اگر کی تو باوجود ان حالات کے جانتے ہوئے بھی مجھ پر بدظنی کی۔ نبی کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔[1] کہ یہ رسول تو تم میں ہی رہا ہے تم اس کے حالات سے خوب واقف ہو۔

اسی طرح آج میں بھی کہتا ہوں۔ اونادانو اور جاہلو! میں بھی تم میں بچپن سے رہتا ہوں۔ تم نے میرے حالات کو جانتے ہوئے پھر میرے متعلق کیونکر اس قسم کی بدظنی کی اور میرے پہلے حالات پر کیوں نظر نہ کی۔ تم جانتے ہو کہ جس زمانہ میں غم اور حُزن کے مارے تمہاری کمریں ٹیڑھی ہو رہی تھیں اس وقت میرے جادۂ استقلال میں فرق نہ آیا۔ اور میں نے کبھی غم اور حُزن کو پاس نہیں آنے دیا۔ یعنی تم اس پرانے تجربہ کی بناء پر سمجھ سکتے تھے کہ یہ خیال تمہاری اپنی نظر کی نابینائی کا نتیجہ ہے۔ تم اپنی نظر کی نابینائی کو میری طرف تو منسوب نہ کرتے۔

تم میرے ان مضامین کو جو میں نے راستہ سے لکھے دیکھتے۔ اگر ان مضامین اور خطبہ میں کوئی ترتیب نظر نہ آتی تو دھوکا کا احتمال ہو سکتا تھا لیکن اگر ان میں باہم ترتیب ہو اور ایک ایک انچ باہم مطابق ہو تو تم کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ تمہارا خیال تم کو غلطی میں مبتلاء کر رہا ہے اور تمہارا یہ خیال محض ایک بدظنی ہے۔

میں سمجھتا ہوں دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ان کو غلطی لگی اور انہوں نے بدظنی کی۔ ایک میرے چہرہ پر غم کے آثار اور آنسو۔ دوسرے میرا مجلس میں آتے وقت لوگوں سے الگ رہنے کی درخواست کرنا یا مجلس سے علیحدہ کھڑے رہنا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو آنکھیں دی ہوئی تھیں' اگر ان میں کچھ بینائی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کہ میری یہ علیحدگی آٹھ دن سے جاری ہے۔

اور اس کی وجہ اعصابی درد ہے جس کا لقوہ کی صورت اختیار کرنے کا ڈر تھا اور اسی وجہ سے باوجودیکہ امۃ الحی کی حالت اچھی تھی مگر میں مسجد میں نہیں آتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب سے بھی جو میرے معالج تھے کہا تھا کہ جب لوگ مجھ پر ہجوم کر کے آتے ہیں تو معاً مجھے اعصابی دورہ شروع ہو جاتا ہے' میرے پٹھے کھنچنے لگتے ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ مجھے لقوہ ہو جائے لیکن اب اس واقعہ کے بعد باوجود اس تکلیف کے موجود ہونے کے معاً نماز میں آنا شروع کر دیا ہے تاکہ میری طرف کوئی یہ منسوب نہ کرے کہ میں ایسے رنج میں مبتلا ہوں جس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

دوسری وجہ بیماری کی زیادتی کی یہ تھی کہ جب میں باہر آتا تھا تو لوگ میرے پاس درخواستیں لاتے تھے کہ ہمیں فلاں تکلیف ہے اور ہم اس انتظار میں تھے کہ حضور تشریف لاویں تو حضور کے پاس عرض کریں۔ یا ہمیں فلاں امر کی ضرورت تھی اور افسروں نے حضور کی واپسی تک اسے ملتوی رکھا ہوا تھا اور ادھر میری یہ حالت ہے کہ مجھے جب معلوم ہو کہ فلاں کو یہ تکلیف ہے اور میں اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتا یا اس کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تو مجھے سخت بے چینی ہوتی ہے۔ غالباً میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے ذکر کیا تھا کہ مجھ پر ایک جنون کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے جب مجھ پر حاجت مند لوگوں کا ہجوم جمع ہوتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میں فلاں شخص کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب اور میری والدہ صاحبہ بھی میری اس حالت سے واقف ہیں کیونکہ ان کے پاس میں نے ذکر کیا تھا کہ ادھر مجھے دورہ ہوتا ہے اور ادھر میں ان کی تکلیف پڑھتا ہوں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا ایسا نہ ہو کہ میں جلسہ سے پہلے زیادہ بیمار ہو جاؤں۔ اس وجہ سے میں ان دنوں میں جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی سامان نہ کر دے لوگوں سے الگ رہوں گا۔ یہ واقعات تھے جن کی وجہ سے میں باہر کم آتا اور لوگوں سے الگ رہتا تھا۔

بلکہ یہاں تک حالت رہی ہے کہ اسی وجہ سے میں مرحومہ کی ایسی تیمارداری بھی نہیں کر سکا جیسا کہ میرا دل تیمارداری کرنے کو چاہتا تھا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی مرض الموت میں مجھ سے کہا بھی کہ جب آپ آتے ہیں تو میری بیماری میں کمی معلوم ہونے لگتی ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ تم کم آتے ہو۔

باقی رہا دوسرا سوال میں اس کو کئی حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلی بات غم کے متعلق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مجھے غم ہے اور بہت غم ہے۔ اس کا اثر میرے چہرے پر بھی ظاہر تھا جواب نہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اب غم نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میں ضبط کر سکتا ہوں اور مجھے اپنے جذبات پر قابو ہے اور بہت قابو ہے اور میں ایسی حالت میں ہنس بھی سکتا ہوں۔ اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں اس وقت غم کی حالت میں ہوتا ہوں۔ گھر میں میرا بچہ بیمار ہوتا ہے یا اور قومی غم ہوتے ہیں لیکن معاً میں اپنے چہرہ کو ہنسی والا بناتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ میرا فرض ہے کہ اس شخص کی خوشی میں شامل ہوں۔ لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے بلکہ تم میں سے کئی لڑ

پڑیں گے کہ ہمارے گھر تو ماتم ہے اور تم ہمیں یہ بتانے آئے ہو کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے اور اس کے فضل سے میں نے اسے سنبھالا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں جماعت کے غموں اور خوشیوں میں شامل ہوں۔ پھر میں ان غموں کو بھی ظاہر کرتا ہوں تاکہ کوئی بیماری پیدا نہ ہو کیونکہ غموں کے دبانے سے بھی اعصاب پر برا اثر پڑتا ہے لیکن جب ایسا موقع ہو کہ اس غم کو دبانا ہو تو دبا بھی سکتا ہوں۔ آج تم میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ خوشی والا چہرہ بنائے اور مجھ سے زیادہ ہنس سکتا ہو گو میرے دل میں اس وقت غضب ہے۔

میں نے جو اسلام کو سمجھا ہے۔ اس کو غرور کہو' عُجب کہو' خود پسندی' اپنی تعریف آپ کرنے کا عادی کہہ لو لیکن میں یقین واثق سے کہتا ہوں کہ میں نے تم سب سے زیادہ سمجھا ہے اور اس پر میں فخر نہیں کرتا اور اس خوبی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ اس کو خدا کا فضل جانتا ہوں اور اسی وجہ سے میں جب کبھی بھی سیکھنے کی مجھے ضرورت ہوتی ہے کہتا ہوں کہ اے خدا! تُو اس بات کو جانتا ہے میں کسی علم کو اپنی طرف کبھی منسوب نہیں کرتا بلکہ اس کو محض تیرا فضل و احسان ہی خیال کرتا ہوں۔ باقی رہا غم کرنا یا آنسوؤں سے رونا یہ دعاہیں تو جائز ہی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی جائز ہے۔

حدیث میں آتا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے چچا فوت ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ کو کہا گیا کہ اپنے چچا کو دیکھ لیں مگر آپ نے جواب دیا کہ میں ان کی اس حالت کو دیکھ نہیں سکتا[۲]۔ یہ وہ شخص ہے جو ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ایسے غمگین رہے کہ اس کے بعد بارہ سال تک آپ زندہ رہے اس عرصہ میں جب کبھی حضرت خدیجہ کا آپ ذکر فرماتے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جایا کرتے تھے۔ جب آپ اس کے کسی رشتہ دار کو دیکھ لیتے تو آپ پر رقّت طاری ہو جاتی۔ اور جب ان کی سہیلیوں کو دیکھتے تو بھی آپ بے اختیار ہو جاتے۔ حتیٰ کہ آپ کی دوسری بیویوں میں رشک پیدا ہو جاتا۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتیں کہ آپ اس بڑھیا کو یاد کر کے کیوں اتنا بیتاب ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتیں کہ اس نے کتنی خدمت اور فرمانبرداری میری مشکلات کے وقت میں کی[۳]۔ پھر ایک دفعہ نبی کریم ﷺ اپنے نواسہ پر روئے تو ایک جاہل نے آپ کو کہہ دیا' رسول ہو کر پھر روتے ہیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے

شقی القلب نہیں بنایا۔ تجھے اگر شقاوت حاصل ہے تو نہ رویا کر۔[4]

ایک دفعہ حضرت عائشہ سخت بیمار ہوئیں اور بیماری کی شدت کے باعث آہ آہ کرنے لگیں۔ تو آپ نے ایک رنگ میں ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن حضرت عائشہ نے ذرا غصہ سے کہا کہ آپ کو کیا میں مرجاؤں گی تو آپ اور شادی کرلیں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم ایسا کہتی ہو تو میں ہی پہلے مروں گا[5]۔ چنانچہ آپ کا اس وقت کا یہ کہا ہوا پورا ہوگیا اور آپ کی وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا ہمیشہ غم رہا۔ پھر جب حضرت جعفر شہید ہوئے تو تقریر کرتے ہوئے آپ کی گالوں پر تار تار آنسو جاری تھے اور آپ نے فرمایا کہ جعفر شہید ہو گئے اور اب زید نے عَلَم اٹھایا ہے۔ پھر فرمایا اب زید شہید ہو گئے اور یہاں تک کہ پھر سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ نے عَلَم اٹھایا اور دشمنوں کو شکست ہوگئی۔ جب جنگ سے خبر آئی کہ فلاں فلاں شخص شہید ہوئے ہیں تو ان کے رشتہ دار اپنے گھروں میں روتے تھے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آہ! جعفر پر رونے والا بھی کوئی نہیں۔ بعض نادان عورتوں نے حکم سمجھ کر ان کے گھر میں جاکر پیٹنا شروع کردیا۔[6]

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر برابر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور تھمتے نہیں تھے۔ ان کی وفات کے سالہا سال بعد جب ان کا قاتل وحشی آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا تُو بے شک مسلمان ہے اور میں تجھے معاف کرتا ہوں لیکن میرے سامنے نہ آیا کر۔[7] تجھے دیکھ نہیں سکتا۔ حالانکہ وحشی ہی وہ شخص تھا جو عین لشکر کفار کے قلب میں اس وقت گھس گیا جب کہ باقی فوج پیچھے ہٹ گئی تھی اور لوگ اس کو بھی پیچھے ہٹنے کے لئے کہہ رہے تھے لیکن اس نے کہا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا جب تک میں حضرت حمزہ کے قتل کے عوض میں کسی بڑے کافر سردار کو نہ قتل کروں گا اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ چنانچہ اس نے اس وقت مسیلمہ کو قتل کردیا۔ یہ اس کے ایمان اور اخلاص کا حال تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تُو میرے سامنے نہ آیا کر میں تجھے نہیں دیکھ سکتا۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حال سن لو۔ مولوی عبد الکریم صاحب بیمار ہوئے تو مولوی صاحب نے بار بار حضرت صاحب کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ حضور مجھے اپنی زیارت کراجائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں مولوی صاحب کی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے اس وقت خود دورہ شروع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کمرہ کو بھی چھوڑ دیا جس

میں مولوی صاحب کے کراہنے کی آواز آتی تھی پھر ان کی وفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز میں آنا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہاں جب مولوی صاحب کو موجود نہیں پاتے تھے اور وہ یاد آجاتے تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی اور فرماتے کہ مجھے بیماری کا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔

پس آنسوؤں سے رونا اور اظہار غم افسردگی اور اس کا اتنا لمبا اثر جو سالوں تک رہے یہ تو ثابت شدہ باتیں ہیں۔ انبیاء اور ان کے متبعین کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غم ان کو ان وجودوں کے متعلق ہوتا ہے جن کے ساتھ ان کا صرف جسمانی تعلق ہو اور ایک غم ان کو ان وجودوں کے متعلق ہوتا ہے جو ان کے ممد و مددگار ہوتے ہیں اور یہ غم بہت عرصہ تک جاری رہتا ہے اور ان کی یاد پر ہمیشہ ان کے آنسو بہتے اور ان پر رقت کی حالت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ وہ احسان فراموش نہیں ہوتے۔

ہمارے سلسلہ میں سے ماسٹر عبد الحق فوت ہوئے ان کا ذکر کرتے وقت اب بھی مجھے رقّت آجاتی ہے حالانکہ ان کا ایک بیٹا بھی موجود ہے اور وہ ہنس ہنس کر ان کا ذکر کرلے گا لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جیسا وہ کام کرتے تھے ایسا کام کرنے والا مجھے آج تک نہیں ملا۔ وہ زندگی وقف کرکے قادیان چلے آئے ہوئے تھے اور انگریزی میں ترجمہ کرنے کا کام اس تیزی سے کر سکتے تھے کہ میں اردو میں مضمون اتنی جلدی نہیں لکھ سکتا تھا۔ اب چودھری ظفراللہ خان صاحب ان کے قریب قریب کام کرلیتے ہیں مگر نہ تو انہوں نے ابھی زندگی وقف کی ہے اور وہ باہر رہتے ہیں اور نہ اس قدر تیزی سے کام کر سکتے ہیں۔

اسی طرح مجھے اب امۃ الحی کی وفات پر جو افسوس اور صدمہ ہے اور میں اپنے فرائض میں سے سمجھتا ہوں کہ اسے قائم رکھوں اور یہ شقاوت ہوگی اگر میں یاد نہ رکھوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی شہادت سے میں نے بتایا ہے۔

میرے نزدیک کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کی عورتوں میں تعلیم نہ ہو اور خصوصاً یورپ کے سفر میں میں نے معلوم کیا ہے کہ جب تک عورتیں مردوں کا ہاتھ نہ بٹائیں تب تک وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر ہماری عورتوں میں دینی تعلیم نہ ہو تو ہماری قوم خواہ کس قدر بھی ترقی کرے' میں اس ترقی پر فخر نہیں کر سکتا۔ میں نے ان سے جب شادی کی اس وقت میری نیت بطور احسان کے تھی کہ ان کے ذریعے سے بآسانی عورتوں میں تعلیم دے سکوں گا اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ فوراً ان کو تعلیم دوں مگر وہ اس شوق میں مجھ سے بھی آگے بڑھی ہوئی

نکلیں۔ ابتداءً میں کبھی سبقوں میں ناغے بھی کر دیتا تھا مگر وہ کہہ کر اور زور دے کر اپنی تعلیم کو جاری رکھتی تھیں اور اس میں انہوں نے بہت ترقی کی۔

وہ قرآن شریف کا ترجمہ اچھی طرح پڑھا لیتی تھیں۔ بلوغ المرام پڑھاتی تھیں' اسی طرح اور دینی کتب لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں۔ اور وفات سے چار پانچ روز ہی پہلے مجھ سے مشورہ کر رہی تھیں کہ لڑکیوں کو مشکوٰۃ پڑھانی ہے۔ جس کی قیمت اب بہت بڑھ گئی ہے لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ خریدنے کی استطاعت نہیں اب کیا کیا جائے۔

تو تعلیم کی یہ خواہش جو ان میں تھی وہ دیگر عورتوں میں نظر نہیں آتی۔ عام طور پر عورتوں میں یہ خواہش اس حد تک ہے کہ تہذیبِ نسواں پڑھ لیں' دینی تعلیم کا احساس نہیں ہماری جماعت میں اور بھی عورتیں تو ہیں جو علم رکھتی ہیں اور بعض باتوں میں امۃ الحی سے بھی زیادہ علم رکھنے والی ہیں لیکن دین کے معاملہ میں خاص طور پر تعلیم دینی ان میں نہیں پائی جاتی۔ میر محمد اسحاق صاحب کی بیوی بے شک تعلیم کی بہت شائق ہیں لیکن ان کے اندر وہ جنون نہیں جو امۃ الحی کے اندر تھا۔ پھر ان کا وہ اثر بھی نہیں ہو سکتا جو خلیفہ کی بیوی کا ہو سکتا ہے اور وہ میرے خیالات کی ترجمانی بھی نہیں کر سکتیں۔ اس کے بعد حافظ روشن علی صاحب کی بیوی ہیں۔ میری بڑی بیوی بھی پڑھائی میں تو امۃ الحی کے برابر ہیں لیکن بعض روکوں کی وجہ سے کچھ بچوں کی کثرت اور ان کی تربیت میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کو وسیع مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

اور اب میری عمر بھی اس قابل نہیں کہ اور شادی کروں اور دس سال تک اس کو تعلیم دوں اور تربیت کروں اس لئے عورتوں کے متعلق مجھے نہایت تاریک پہلو نظر آتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی سامان پیدا کر دے گا مگر اس کے لئے جس دعا کی ضرورت ہے وہ ایک درد اور تڑپ کو چاہتی ہے۔ پس میں نے اپنے غم و درد کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا۔ ہاں خدا تعالیٰ کے حضور اس قدر غم و درد کا اظہار کیا ہے جس سے میں یقین کرتا ہوں کہ میری دعائیں عرش کو اس طرح ہلائیں گی جس طرح دردمند شخص کی دعائیں ہلایا کرتی ہیں۔

مجھے جو افسوس اور غم ہوا ہے وہ اس واسطے ہوا کہ مجھے نظر آتا ہے کہ عورتوں میں جو میں نے تعلیم کے متعلق سکیم سوچی تھی وہ تمام درہم برہم ہو گئی۔ یورپ کے سفر میں خاص سکیم تعلیم کی تیار کی تھی اور میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ واپس جا کر اس سکیم کو جاری کروں گا لیکن انسانوں میں سب سے زیادہ جس ہستی سے مجھے امید تھی کہ وہ اس سکیم کو چلانے میں میری مددگار ہو گی وہ

وفات پا گئی ہے تو اب اس کے بعد اس تمام سکیم کے بدل جانے کی وجہ سے مجھے بہت غم تھا- در حقیقت انسانوں میں سب سے زیادہ ہستی جس پر مجھے اس تعلیمی سکیم کے متعلق بڑی امیدیں تھیں وہ امۃ الحی تھی اب میری وہ سکیم اس واقعہ کے بعد بدل گئی اور نئے فکر کی اس کے لئے ضرورت پڑی-

کوئی کام بغیر آلات کے نہیں ہو سکتا- روشنی دیکھنے کا کس قدر بھی شوق ہو لیکن اگر آنکھیں نہ ہوں تو یہ شوق پورا نہیں ہو سکتا- چلنے کا کتنا شوق ہو لیکن وہ شوق بغیر ٹانگوں کے پورا نہیں ہو سکتا- پس جب تک ہتھیار نہ ہوں' تب تک کوئی کام نہیں ہو سکتا-

اور میرے اپنے خیال اور ارادہ میں جس ہستی کے اوپر میرا ہاتھ تھا اور جس پر مجھے بڑی امیدیں تھیں وہ ہستی مجھ سے جدا ہو گئی اس وجہ سے مجھے غم ہے- ورنہ ایسے انسان کی موت پر بھلا کیا غم ہو سکتا ہے جس کے لئے اس قدر دعاؤں کا موقع ملا اور جس کے لئے آخری حد تک جو تیمار داری ممکن تھی اور میری برداشت کے اندر تھی وہ کی اور اپنی محبت کے اظہار کے لئے دل پر پتھر رکھ کر وہ کام کئے جو دوسروں کے لئے کرنے ناممکن ہیں- میں نے بھی اس کے لئے دعائیں کیں اور جماعت نے بھی دعائیں کیں- پھر ایک بہت بڑی جماعت نے جنازہ پڑھا اور باہر کی جماعتیں بھی جنازہ پڑھیں گی- پھر مقبرہ بہشتی میں مدفون ہوئیں بھلا اتنی خوش نصیبی کس کو نصیب ہے-

میری ہمشیرہ مبارکہ بیگم نے کہا کہ امۃ الحی تو بڑی ہی خوش نصیب نکلیں' جس کے لئے اتنی دعائیں ہوئیں اور اتنے بڑے مجمع نے نماز جنازہ ادا کی- پس اس کی موت پر کیسا غم اور کیسا رونا-

ہاں ایک رونا اپنی طبیعت کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے- جو طبیعت مدت تک ایک انسان کے ساتھ رہنے کی عادی ہو چکی ہوتی ہے تو اس عادت کے خلاف ہونے پر ضرور رونا آتا ہے جو ایک طبعی امر ہے' لیکن وہ حُزن کس طرح ہو سکتا ہے-

حُزن تو گذشتہ چیز پر ہوتا ہے اور میں اگلی چیز کا خیال کرتا ہوں جو آئندہ آنے والی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مستورات کی تعلیم اور پھر دینی تعلیم میرے ذمہ ہے اور کامیابی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے- اور یہ کون انسان برداشت کر سکتا ہے کہ وہ پوری محنت کرے اور پھر وہ ناکام رہے-

میرے غم کی مشابہت حضرت یعقوبؑ کے غم سے ہو سکتی ہے- میرا واقعہ بھی حضرت یعقوبؑ کی طرح ہے- مجھے بھی لوگوں نے کہا کہ یہ تو اس غم میں مرجائے گا جس طرح کہ حضرت یعقوب کو

ان کے بیٹوں نے کہا کہ یہ بوڑھا اب اس غم میں ہلاک ہو جائے گا حالانکہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسف کی موت کا فکر اور اندیشہ نہیں تھا کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ نے بتایا ہوا تھا کہ یوسف ان کو مل جائے گا لیکن ان کے نادان بیٹے نہیں جانتے تھے اور حضرت یعقوبؑ نے بھی ان کو کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں بتایا تھا۔ مگر حضرت یعقوبؑ غم کرتے تھے اور یا یَاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ کہتے تھے۔ تو وہ یوسف پر افسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو ان بیٹوں کے لئے غم کرتے اور روتے تھے تاکہ یوسف ان کا بھائی جلد مل جاوے اور ان کو معاف کرے اور وہ خدا کی نظر میں منظور ہوں۔ مگر وہ نادان یہی کہتے تھے کہ یہ بڈھا تو بس غم میں مرہی جائے گا۔ حضرت یعقوب کے متعلق اللہ تعالیٰ وَھُوَ کَظِیْمٌ کا لفظ فرماتا ہے اور کَظِیْمٌ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر غم کی وجہ سے اس قدر رقت غالب ہو کہ اس کی وجہ سے وہ کلام نہ کر سکے۔ تم میں سے بھی بعض لوگوں نے مجھے یہی کہا اور سمجھ لیا کہ بس اب تو یہ اپنی بیوی کے غم میں ہلاک ہو جائے گا۔ ان نادانوں کو یہ علم نہیں کہ میرے پانچ بچے فوت ہو چکے ہیں ان میں سے ایک پر میں نے صرف ایک آنسو بہایا تھا اس لئے کہ تا میں شقی القلب نہ ٹھہروں اور اس لئے کہ رسول اللہ بھی اپنے بچے کی وفات پر روئے تھے لیکن اس وقت جو مجھ کو افسوس ہوا ہے وہ اس لئے ہے کہ جو سکیم میں نے تیار کی تھی وہ اس طرح درہم برہم ہو گئی۔

یہ حُزن نہیں تھا بلکہ آئندہ کے لئے غم تھا۔ اس ایک بچہ کی وفات پر جو میں نے ایک آنسو بہایا تھا اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب میں بمبئی صحت کے لئے گیا تو وہاں میری لڑکی بیمار ہو گئی اس کی بیماری کی حالت میں میں ایک دن کے لئے کہیں باہر گیا۔ میری عدم موجودگی میں مجھے وہ اس قدر یاد کرتی کہ ابا ابا کہہ کر مجھے پکارتی۔ اس کی نزع کی حالت تھی اس وقت میں گھر واپس آیا تو دیکھا کہ وہ تڑپتی اور کہتی تھی۔ کیا میرے ابا آگئے اور گھر والوں نے بتایا کہ وہ آپ کے پیچھے آپ کو بہت یاد کرتی اور پکارتی رہی ہے۔ ان حالات کا طبعی اثر میرے قلب پر ہوا اور میں نے آنحضرت ﷺ کی سنت پر ایک آنسو بہا دیا۔

بچوں کی وفات پر گو میں طبعی اثر سے خالی نہ تھا۔ خدا نے مجھے شقی القلب نہیں بنایا ہے لیکن ایسا اثر نہیں ہوا کیونکہ مجھے کوئی یقینی علم نہیں تھا کہ یہ دین کے لحاظ سے کیسے ہوں گا لیکن یہاں تو ایک وجود کو دس سال تک تربیت کر کے تیار کیا اور اس پر بڑی امیدیں تھیں ایسا وجود ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا جس سے مستورات کی تعلیم و تربیت میں بہت بڑی مدد کی توقع تھی۔ لوگوں کی تو

ایسے موقع پر عجیب حالت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص کے ہاں یہاں مُردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس شخص کی بیوی کو صرف خیال تھا کہ وہ زندہ پیدا ہوا ہے حالانکہ دایہ کہتی تھی کہ پیدا ہی مُردہ ہوا ہے لیکن وہ دونوں میاں بیوی اس بچے کی قبر پر چھ ماہ تک جاتے رہے مگر میں نے اپنے پانچ بچوں پر باوجود طبعی اثرات کے بھی محسوس نہیں کیا۔

اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات میں رویا ہوں اور شدید رویا ہوں مثلاً حضرت مولوی عبد الکریم کی وفات پر اور حضرت خلیفہ اول کی وفات پر۔ صرف اس لئے کہ وہ سلسلہ کے لئے بطور ستون تھے اور ان پر رونا مُردوں پر رونا نہیں تھا بلکہ درحقیقت وہ زندوں پر رونا تھا جو ان فوائد سے محروم ہو گئے تھے جو ان وجودوں سے پہنچ رہے تھے۔ اسی طرح میں امۃ الحی پر بھی ضرور رویا لیکن پچھلوں کے لئے جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ ان کے سر پر سے ایک مفید وجود اٹھ گیا۔

اس کی وفات کے متعلق تو مجھے پہلے سے ہی اطلاع ہو گئی تھی۔ تین سال ہوئے کہ میں نے خواب دیکھا کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئی ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر کہنے لگی "میں جاتی ہوں"۔ اور اس کے بعد جلدی جلدی گھر سے نکل گئی۔ میں نے میر محمد اسماعیل صاحب کو اس کے پیچھے روانہ کیا تو انہوں نے واپس آکر بتایا کہ وہ بہشتی مقبرہ کی طرف چلی گئی ہیں۔ اسی طرح سفر میں واپسی کے وقت جہاز میں رؤیا دیکھی کہ سمندر کی طرف سے ایک عورت کی نہایت دردناک چیخوں کی آواز آرہی ہے۔ میں نے اس کو وہاں جہاز میں حافظ روشن علی صاحب اور دوسرے دوستوں کے سامنے بیان کیا اور یہ واقعہ قریباً بیداری کا تھا۔ اسی طرح وفات سے دو دن پہلے دیکھا کہ حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول تشریف لائے ہیں اور میرے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے ہیں۔ ان کا رنگ بالکل زرد ہے۔ آپ نے میرے پاؤں کی جراب کو پکڑا اور فرمایا یہ جراب تو بالکل بوسیدہ ہو گئی ہے۔ پھر اس میں سے ایک دھاگا نکالا اور اسے ذرا کھینچا تو وہ بالکل ٹوٹ گیا اور کچھ روئی سی نکل آئی اور فرمانے لگے یہ تو بالکل ہی بوسیدہ ہے۔ دیکھو اس کے تو دھاگے بھی اب بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا یہاں علاج نہیں۔ ولایت میں تو اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ اس سے بھی میں نے یہی نتیجہ نکالا کہ وفات کے دن اب بالکل قریب معلوم ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب پر بھی اس واقعہ کا اثر ہوا ہوگا۔ جو ان کے زرد رنگ سے معلوم ہوتا ہے۔ جراب سے مراد بیوی ہی تھی جو اس حد تک کمزور ہو گئی تھی کہ اب وہ بچ نہیں سکتی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت میں ایسی امراض کا علاج ہو سکتا ہوگا۔ یا شاید اس کا کوئی اور مفہوم

ہو۔

پھر مبارکہ بیگم نے بتلایا کہ ایک دفعہ میرے آنے سے پہلے اوپر کھڑے ہو کر امۃ الحی نے ایک مصرعہ کہا۔ جس کا مفہوم غالباً یہ تھا ؎

اے بلبل بوستان تُو خاموش کیوں ہے

اور مجھ سے کہا کہ میں جب فوت ہو جاؤں گی تو آپ اس پر مصرعے لگانا۔ مبارکہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ نہیں میں آپ سے پہلے فوت ہوں گی۔ میری وفات پر آپ نے اس پر مصرعے جوڑنے ہوں گے۔ تو امۃ الحی نے کہا نہیں۔ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی اگر آپ نے پھر ایسا کہا۔ میں پہلے وفات پاؤں گی میری وفات پر اس مصرعہ پر ضرور مصرعے لگانے ہوں گے۔

پھر دیکھو میں آخری حالتوں میں بھی بے صبرا اور مایوس نہیں ہوا۔ امۃ الحی جب اپنی مرض الموت میں کرب کی وجہ سے کہتیں کہ دعا کرو کہ مجھ کو آسانی کے ساتھ موت آجاوے تو میں سختی سے کہتا کہ یہ ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس حالت کو نزع کی حالت قرار دے کر خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر یہ دعا کروں کہ تجھ پر موت آئے اور یہ گھڑیاں اس صورت میں آسان ہوں بلکہ میں نزع کے وقت بھی یہ دعا کرتا تھا کہ خدا ان کے کرب کو دور کر دے۔ بھلا اتنا تو سوچو کہ میں اگر بے صبرا ہوتا تو اتنی باتوں کے ہوتے ہوئے اور اس علم کے باوجود جو مجھے دیا گیا تھا کیوں سفر اختیار کیا۔

مجھ کو یہ علم بھی تھا کہ میری ایک بیوی میرے پیچھے فوت ہو جائے گی مگر میں نے سفر کو ملتوی نہیں کیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے میرے آنے تک اس واقعہ کو مہلت دے دی ورنہ میں تو یہاں سے ہی اعلان کر کے گیا تھا کہ میرے اس سفر میں بہت سے ابتلاء مقدر ہیں جن سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہوئی ہے لیکن میں وہ ظاہر نہیں کرتا۔ مجھے یہاں سے چلتے وقت بھی علم تھا کہ میری دو بیویوں میں سے ایک مر جائے گی۔ باوجود اس علم کے پھر بھی میں نے اسلام کی خاطر یہ لمبا سفر اختیار کیا۔ اگر بے صبرا ہوتا تو آپ بیٹھ جاتا اور کہتا کہ جاؤ مضمون پڑھ دو۔ اگر علم ہوتے ہوئے اور احساس رکھتے ہوئے کہ دو میں سے ایک کی موت مقدّر ہے اور میں جانتا تھا کہ منذر رؤیا اگر بیان کر دی جاوے تو واقعہ ہو جاتی ہے میں نے اسلام کے لئے اس سفر کو ملتوی نہیں کیا۔ تو کیا اب وفات پر مجھے اس رنگ کا صدمہ ہو سکتا تھا جو ایک دنیادار کو ہوتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں کہ اگر وہ شقی القلب نہ ہوں اور میرے جیسے ان کے احساسات ہوں اور ان کو وہ علم ہو جو مجھے علم تھا

پھر ان کو اسلام کے لئے کہا جاوے کہ فلاں جگہ سفر کو جاؤ تو وہ سفر اختیار کریں گے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ تم میں سے ایک بھی نہیں جو ایسی حالت میں ایسا سفر اختیار کرے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ ایک مرتبہ حضرت خلیفہ اول نے مجھے ایک جگہ جانے کا حکم دیا اس وقت ناصر احمد کو نمونیہ تھا اور ڈاکٹر کہتے تھے کہ وہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے لیکن میں نے حضرت خلیفہ اول سے اس کی بیماری کا ذکر تک بھی نہ کیا تاکہ کسی عُذر کا موجب نہ سمجھا جاوے اور میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے سلسلہ کی ضرورت کے لئے حکم پاکر سفر پر چلا گیا۔

تمہاری اور میری مثال تو اس شخص کی سی ہے جو کہ کسی کے گھر میں اپنا مال رکھے۔ جب لینے جاوے تو وہ گھر والا شور مچاوے۔ چور ہے۔ چور ہے۔ اسی طرح میں نے اس وقت جو درد محسوس کیا اور جس افسوس کا اظہار کیا وہ میرا افسوس اور درد مُردوں کے لئے نہیں بلکہ زندوں پر ہے۔ مجھے تمہاری ترقی کی فکر ہے اور اس کے لئے جو ایک ذریعہ ہو سکتا تھا وہ جاتا رہا اس پر بھی تمہاری یہ حالت ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ اور تم یہ سمجھتے ہو کہ میں مرنے والی پر رویا ہوں اور تم مجھے صبر کی تعلیم دیتے ہو۔ میں سچ کہتا ہوں تمہیں صبر کے معنے ہی معلوم نہیں تم یہ بھی نہیں جانتے کہ صبر کیا چیز ہے۔ ایک چیز موجود ہو پھر انسان اپنے جذبات کو قابو میں رکھے تب صبر کہلائے گا۔ دل میں جرأت ہو' ہاتھ میں طاقت ہو' پھر تھپڑ کھا کر چپ رہے تو وہ صبر اور عفو کہلائے گا نہ یہ کہ مقابلہ کی طاقت ہی نہیں اور کہہ دے کہ میں نے بڑا صبر دکھایا ہے۔

اب سنو کل کا خطبہ اس کے پہلے حصہ میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی مجھے وفات کا خیال نہیں آیا۔ صرف ایک مثال پر آیا وہ بھی ایک سیکنڈ کے لئے آیا تھا اور اس وقت مجھے بے شک رونا آیا لیکن وہ رونا ان مُردوں کے لئے نہیں تھا جو قبروں میں پڑے ہیں بلکہ وہ ان مُردوں کے لئے تھا جو میرے سامنے بیٹھے تھے۔ میرے آنسو یورپ کے مُردوں پر تھے جن کے لئے میں سمجھتا تھا کہ مرحومہ میری سکیم میں مددگار ہو گی۔ ایک بزرگ کا قصہؔ ہے کہ وہ جب کبھی قبرستان میں گذرتے تو منہ پر کپڑا ڈال دیتے۔ اور جب بازاروں میں سے گذرتے تو ایسا نہ کرتے۔ ایک شخص نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ یہ کیا اُلٹی بات آپ کرتے ہیں۔ تو اس بزرگ نے کہا کہ تجھے وہاں زندے نظر آتے ہیں یہاں قبرستان میں مُردے نظر آتے ہیں مجھے وہاں مُردے نظر آتے ہیں اور یہاں زندہ نظر آتے ہیں۔ پس میں جو روتا تھا تو وہ ان زندوں کے لئے نہیں روتا تھا جو قبروں میں ہیں بلکہ تم مُردوں کے لئے روتا جو دنیا میں میرے سامنے ہو۔ تمہیں معلوم ہی نہیں کہ مُردہ کون ہے اور

زندہ کون ہے تم مُردہ اس کو سمجھتے ہو جو دنیا میں کھاتا پیتا چلتا پھرتا نہ ہو اور زندہ اس کو سمجھتے ہو جو چلتا پھرتا ہو اور خوب کھاتا پیتا ہو حالانکہ مُردہ وہ ہے جو کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہو لیکن اس کے دل میں خدا کی یاد نہیں- ایک انسان جس کی روحانیت اور اخلاق بگڑے ہوئے ہیں جس کے اندر ایمان نہیں وہ مُردہ ہے اور جس کے اندر یہ باتیں ہوں وہ ہمیشہ زندہ ہے- تمہارا چلنا پھرنا اور کھانا پینا یہ کوئی زندگی نہیں- زندگی تو احساس کو کہتے ہیں کیا انجن کو کوئی زندہ کہہ سکتا ہے' مشینوں کو زندہ کہتا ہے' حالانکہ وہ بھی تو چلتے ہیں- انہیں اس لئے زندہ نہیں کہتے کہ ان میں احساس نہیں- زندگی احساس کا نام ہے اگر تمہارے اندر احساس ہے تو تم اگر کروڑوں من مٹی کے ڈھیروں کے نیچے بھی ہوگے تو بھی زندہ ہی رہو گے-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی وہ احساس ہی کام کرتا تھا اور اس احساس کی وجہ سے آپ ہمیشہ زندہ ہیں- حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے اس طرح رونے کی آواز آتی تھی جس طرح ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز آتی ہے-[8] اس زمانہ میں تو جذبات کا اظہار کر لیا کرتے تھے لیکن آج اس قسم کا زمانہ ہے کہ ہمیں اپنے جذبات کو دبانا پڑتا ہے- نماز میں رقّت آتی ہے تو اسے دبا جاتے ہیں-

پس میرے دل پر صدمہ ہے کہ تم میں ابھی تربیت کے آثار نظر نہیں آتے جب تک مجھے یہ تسلی نہ مل جائے کہ بوجھ اٹھانے والے اور سنبھالنے والے لوگ موجود ہیں-

بعض لوگوں کو میرے متعلق خوابیں آئی ہیں- ممکن ہے کہ وہ میری بیوی کے متعلق ہوں کیونکہ بیوی بھی مرد کا ایک حصہ ہوتی ہے- پس میرے غم اور میرے رونے کی وجہ تمہاری حالت ہے- تمہاری حالت کو دیکھ کر مجھ پر جنون کی حالت طاری ہوتی ہے کہ تمہارے اندر ابھی وہ قوت و طاقت نہیں کہ جس کے ساتھ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکو- تم میں وہ وجود نظر نہیں آتے کہ دوسروں کے لئے اپنے دل میں درد پیدا کر سکیں- میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تمہارے اندر رقّت پیدا کرے' قربانی کا جوش پیدا کرے' باہم محبت پیدا کرے- پس اپنے اندر اخلاص' محبت' دین کے لئے قربانی اور خدا سے محبت اور اس کی خشیت پیدا کرو-

دوسری وجہ میرے غم کی یہ ہے کہ میں اب آئندہ کے متعلق بھی خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں- رسول کریم ﷺ بجلی چمکنے پر بہت گھبرائے پھرتے تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ بجلی چمکنے پر آپ کیوں گھبراتے ہیں- اس نے سمجھا کہ بچے ہی بجلی سے ڈرا کرتے ہیں- تو آپ نے فرمایا کہ مجھے

ڈر آتا ہے کہ کہیں یہ عذاب کا نشان نہ ہو اور قوم پر عذاب نہ آجائے۔[9]

اب ان تین ماہ کے اندر ہمارے خاندان سے چار آدمی فوت ہو گئے ہیں۔ یہ موتیں کبھی رحمت کا موجب ہوتی ہیں اور کبھی عذاب کا موجب ہوتی ہیں۔ مجھے کیا علم ہے یہ کس بات کا باعث ہے۔

پس میری تو یہ حالت ہے کہ میں ہوا کا رخ دیکھتا ہوں اور تم آندھیوں میں اڑتے پھرتے ہو اور تمہیں احساس تک نہیں۔ تمہاری مثال اس شخص کی ہے جو کہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے آجائے' یا کسی مکان کے نیچے آجاوے' بدن چُور چُور ہو' مرنے کے قریب ہو' مگر اس پر بھی یہ کہے کہ کون گر گیا ہے یا کون دب گیا ہے۔

پس تمہیں تو گر کر بھی حِس نہیں ہوتی اور میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میں خدا سے ڈرنے پر فخر کرتا ہوں۔ میں کسی انسان سے نہیں ڈرتا۔ میں خدا کے افعال کو اس کے اشاروں سے تاڑتا ہوں اور تم اس کے افعال سے بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ دیکھو جب حضرت صاحب کو اپنی وفات کے متعلق خدا کی طرف سے علم دیا گیا تو آپ کرب کی وجہ سے گھنٹوں ٹہلا کرتے۔ اور اسی وقت بچوں تک کو استخارہ اور دعاؤں کے لئے کہتے۔ مجھے بارہا بلا کر کہتے کہ محمود! متواتر الہام وفات کے ہو رہے ہیں۔ یہی حال رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا تھا جب سورۃ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں لوگوں نے کہا کہ بڈھے کو کیا ہو گیا یہ تو انعام ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا تم نہیں جانتے یہ تو آنحضرت ﷺ کے جدا ہونے کی خبر ہے[10] انعام نہیں۔ پس جب تک تم چھوٹے چھوٹے اشاروں سے نہ سمجھو انعام الٰہی کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی طرح نبی کریم ؐ کا حال تھا۔ پس کیا حضرت صاحب تمہاری شکلوں کو دیکھنے کے لئے دنیا میں اور زندہ رہنا چاہتے تھے اور گھبراتے تھے کہ یہ صورتیں میری نظروں سے غائب ہو جائیں گی۔ کیا تم انہیں خدا سے زیادہ محبوب تھے۔ تم بھی کبھی خدا کے قرب اور تقویٰ میں ترقی نہیں کر سکتے جب تک تم چھوٹی چھوٹی باتوں سے اپنے اندر خشیت پیدا نہ کرو اور پھر اس کے ساتھ ہمت نہ ہو۔ میں اپنے گھر میں عزیزوں کو بھی کئی دنوں سے یہی کہہ رہا ہوں کہ وہ سب ان دنوں میں استخارے اور دعائیں کریں تا خدا تعالیٰ ان پر ظاہر فرمادے کہ یہ واقعات کیا نتیجہ پیدا کرنے والے ہیں اور ساتھ ہی وہ ہمت کو نہ چھوڑ بیٹھیں اور مایوس نہ ہوں خوف اور رجا کے اندر اپنے ایمان رکھیں۔ پس یہ وجہ تھی اس درد و غم کی۔ اور میرے اندر تو ان دنوں تمہارے لئے دعاؤں کے

واسطے ایک جوش تھا اور میرا دل پگھلا ہوا تھا۔ اس درد اور غم میں میں تمہارے لئے دعاؤں میں لگا ہوا تھا لیکن تمہاری حالت نے میرے دل میں قبض پیدا کر دی ہے۔

میرے اندر اس درجہ گداز کی حالت تھی کہ ممکن تھا اور میں چاہتا تھا کہ کچھ دن اسی گداز میں گذر جاتے تاکہ میں تمہارے لئے ایسی دعائیں کرتا جو عرش پر پہنچتیں اور اسے ہلا دیتیں۔ آنحضرت ﷺ کو لیلۃ القدر کا علم دیا گیا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ اس سے لوگوں کو واقف کریں گے مگر دو آدمیوں کی لڑائی نے اس علم کو اٹھالیا۔ لیکن بعض نادانوں کی حالت نے میرے دل میں قبض پیدا کر کے جماعت کو بھی ان دعاؤں سے محروم کر دیا ہے۔ مجھے آتی دفعہ ماسٹر عبد الرحمٰن نے ایک رقعہ دیا ہے اور میں اس کو پڑھ کر خوش ہو گیا کہ انہوں نے میرے خطبہ کے مفہوم کو سمجھ لیا ہے۔

(الفضل ۳۔جنوری ۱۹۲۵ء)

---

۱ التوبۃ : ۱۲۸

۲ طبقات ابن سعد (عربی) جلد ۳ صفحہ ۱۳ از یر عنوان حمزہ ابن عبد المطلب مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

۳ بخاری کتاب المناقب باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ و فضلھا رضی اللہ عنھا

۴ بخاری کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت

۵ بخاری کتاب المرضٰی باب قول المریض انی واجع وارأساہ اوشتدبی الوجع ......

۶ بخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن النوح والبکاء والزجر عن ذلک

۷ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزۃ

۸ شمائل ترمذی باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

۹ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الاحقاف باب فلما راوہ عارضا مستقبلا اودیتھم ..... الخ

۱۰ بخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب سدوا الابواب الا باب ابی بکر